یونین سازی کے شرعی اُصول

مولانا عبدالرحمان کیلانی

تمہید

اسلامی قانون کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک حصّہ تو وہ ہے جو مُنزّل من اللہ ہے اور کتاب وسنت پر مشتمل ہے۔ یہ حصّہ پائیدار اور غیر متبدّل (RIGID) ہے یہی اسلامی شریعت ہے جو تاقیامت اسی طرح برقرار رہے گی کسی شخص یا کسی ادارے کو، خواہ یہ ادارہ کسی مسلمان ملک کی قومی اسمبلی ہی کیوں نہ ہو، اس حصّہ میں تغیر وتبدل یا ترمیم وتنسیخ کا کچھ بھی اختیار نہیں۔ اصطلاحی زبان میں اس حصّہ کو منصوص کہا جاتا ہے۔ اسلامی قانون میں پائیداری اور استحکام اسی حصّہ کی بنا پر قائم ودائم ہے۔

اسلامی قانون کا دوسرا حصّہ قابلِ تغیر وتبدّل (FLEXIBLE) ہے اور زمانہ کے تقاضوں کے مطابق تغیر وتبدل کا اثر قبول کرلیتا ہے۔ زمانہ کے تقاضے چونکہ ہر آن بدلتے رہتے ہیں۔ لہٰذا اس حصّہ میں اثر پذیری کی گنجائش موجود ہوتی ہے۔ یہ بھی دراصل کتاب وسنت ہی سے ماخوذ ہوتا ہے۔ اسلامی فقہ اسی حصّہ کا محسوس مظہر ہے۔ جو کتاب وسنت میں اجتہاد اور قیاس واستنباط کے ذریعہ معرضِ وجود میں آئی ہے۔ اس حصّہ کے متبدّل ہونے کا ثبوت یہ ہے، کہ مدوّن شدہ اسلامی فقہیں چار ہیں اور اگر ان میں فقہ جعفریہ کو بھی شامل کرلیا جائے تو پانچ بن جاتی ہیں جبکہ شریعت، جو کتاب وسنت پر مشتمل ہے۔ صرف ایک ہے۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اُمّتِ مسلمہ بوقت ضرورت زمانہ کے تقاضوں کے مطابق کوئی نئی فقہ بھی مدّون کرسکتی ہے۔ اور جزوی طور پر تو جدید مسائل میں ایسا ہوتا بھی رہا ہے اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔ اصطلاحی زبان میں اس حصّہ کو منصوص کے مقابلہ پر مسکوت عنہ کہا جاتا ہے۔

مسکوت عنہ کا مطلب یہ ہے کہ زیر بحث مسئلہ میں کتاب وسنت میں کوئی نص (واضح حکم) موجود نہیں ہے۔ لہٰذا ہمیں ایسے نصوص کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے جو اس مسئلہ سے قریب قریب یا اس سے ملتے جلتے ہوں یا اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈال سکتے ہوں۔ ایسی ہی نصوص میں غور وفکر کے بعد اس نئے مسئلہ میں شرعی حکم لگایا جاتا ہے اور نصوص سے دلائل مہیا کیے جاتے ہیں۔ ہمارا موضوع بھی اسی دوسرے حصّہ سے تعلق رکھتا ہے۔

تعارف موضوع اور یونین سازی کے مقاصد

دنیا بھر میں آج کل کئی قسم کی یونینیں (UNIONS) رائج ہیں جنھیں تین بڑی قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ مزدور یونین، ٹریڈ یونین اور طلبہ یونین۔ یونین سازی کا مقصد اپنے مزعومہ فریق مقابل سے اپنے حقوق کو تسلیم کروانا اور ان کا تحفظ ہوتا ہے۔ مثلاً لیبر (LABOUR) یا مزدور یونین کے عموماً تین بڑے بڑے مقاصد ہوتے ہیں۔

۱۔ ان کے اوقات کار کا مناسب تعیّن ہو اور مستقل یا عارضی چھٹیوں کے حقوق کا تعیّن ہو۔

۲۔ ان کے مالک یا صنعت کار اور کارخانہ داران کا معاشی استحصال نہ کریں اور انکی محنت کا مناسب معاوضہ دیں۔

۳۔ ہر آن بڑھتی ہوئی گرانی سے نپٹنے کے لیے اِن کی تنخواہوں میں اسی تناسب سے اضافہ کیا جاتا ہے۔

ٹریڈ (TRADE) یا پیشہ ورانہ یونین کا مقصد یا تو اپنی فروختنی یا کرایہ کی اشیاء کے نرخوں کا تعین ہوتا ہے جیسے خیمہ ساز اور کراکری والے دکاندار سب مل کر اپنا مشترکہ نرخ نامہ شائع کر دیتے ہیں یا پھر ان کی محنت کے نرخ کا تعین ہوتا ہے جیسے مثلاً باربر (حجام) سب مل کر یہ طے کر لیتے ہیں کہ آئندہ سے حجامت یا غسل کے یہی نرخ گاہکوں سے وصول کیے جائیں گے۔

طلبہ یونین کا اصل مقصد تو سکول یا کالج کی انتظامیہ کے ناجائز دباؤ سے اپنے آپ کو نجات دلانا ہے۔ مگر ہمارے ہاں بدقسمتی سے ایسی یونینیں سیاست میں ملوث ہو کر سیاسی دھڑوں

میں بٹ گئی ہیں ۔ جسے کسی صورت مستحسن قرار نہیں دیا جا سکتا ۔

ان اقسام میں سے سب سے اہم چونکہ مزدور یونین ہے لہٰذا ہمارا روئے سخن صرف اسی تک محدود رہے گا ۔ اگرچہ آج کل کی حکومتوں نے ان کے لیے بہت سے قوانین بھی بنا دیے ہیں اور مزدور عدالتیں (LABUUR COURTS) بھی قائم کر دی ہیں ۔ تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ محض قانون کے بل بوتے پر مسائل حل نہیں ہوا کرتے یہ شریعت اسلامیہ کا ہی خاصہ ہے کہ اس نے مسائل کے حل کا دار و مدار قانون سے زیادہ اخلاقیات پر رکھا ہے اور یہی چیز مسائل کے حل کی بہترین صورت ہے ۔ شریعت اسلامیہ معاشرہ کے ہر ہر فرد میں تقویٰ پیدا کرتی ، انہیں خود غرضی سے اجتناب کی ترغیب دیتی اور ایثار و مروت جیسے بہترین اخلاق کا سبق دیتی ہے ۔ جس سے تنازعاتی مسائل اور فریقین میں باہمی چپقلش پیدا ہی نہیں ہوتی اور اگر پیدا ہو جائے تو ان سے عہدہ برآ ہونے کی جلد از جلد کوئی صورت نکل آتی ہے ۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے ہم یہاں دور نبوی کا ایک واقعہ پیش کرتے ہیں ۔

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو آدمی آئے جن کا کسی چیز کی ملکیت کے بارے میں جھگڑا تھا ان میں سے ہر ایک اس بات کا مدعی تھا کہ یہ چیز اس کی ہے اور اسے ورثہ میں ملی ہے ۔ مگر گواہ کسی کے پاس بھی نہیں تھے ۔ آپؐ نے فرمایا : " اگر میں نے کسی کے حق میں اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کر دیا تو وہ سمجھ لے کہ میں اسے آگ کا ٹکڑا دے رہا ہوں " اس نصیحت اور وعید کا فریقین پر اتنا اثر ہوا کہ وہ دونوں اپنے اپنے حق سے دستبردار ہو گئے اور ہر ایک کہنے لگا کہ " یا رسول اللہ ! میرا حق میرے بھائی کو دیجئے " آپؐ نے فرمایا : " یہ تو ناممکن ہے کہ یہ چیز دونوں میں سے کسی کی بھی ملکیت نہ ہو ۔ لہٰذا اسے برابر برابر تقسیم کر دو اور بذریعہ قرعہ اندازی ایک ایک حصہ لے لو اور ہر شخص دوسرے سے کہہ دے کہ میں نے اسے اپنے بھائی کے لیے حلال کر دیا ہے اور وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے " (ابو داود ۔ کتاب الاقضیہ باب فی قضاء القاضی اِذا اَخطَاَ)

مزدور کے حقوق و فرائض

موجودہ دور صنعتی دور ہے ۔ ایک کارخانہ دار سینکڑوں مزدور اپنے ہاں ملازم یا اجرت

پر رکھتا ہے اور تاحدِ امکان ان سے معاشی فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے لیکن دورِ نبوی صنعتی نہیں بلکہ غلامی کا دَور تھا۔ وہاں بھی یہی صورتِ حال تھی کہ جو شخص جس قدر مالدار ہوتا اسی نسبت سے اپنے غلاموں کی تعداد میں اضافہ کرکے ان سے فائدہ اٹھاتا اور ان کا معاشی استحصال کرتا تھا جس کی صورت یہ بھی تھی کہ وہ غلام روزانہ اتنے پیسے تو مالک کو دیا کرے گا۔ باقی جو کچھ اس کمائی سے بچے گا وہ اسی کا ہوگا اور یہ تو واضح ہے کہ آج کے مزدور سے اس دَور کے غلام کی حالت زیادہ ابتر تھی حتیٰ کہ غلام اور لونڈیوں کی برسرِعام خرید و فروخت بھی ہوتی تھی اور یہ راہ و رسم صرف ملک عرب تک ہی محدود نہ تھی بلکہ دنیا بھر میں اس طرح کی غلامی کا دَور دَورہ تھا۔ آج کا مزدور جب چاہے اپنی ملازمت چھوڑ سکتا ہے لیکن اس دَور میں کسی غلام کے بھاگ جانے کے بھی تمام راستے بند کر دیے گئے تھے۔

یہ بات ہمارے موضوع سے خارج ہے کہ اسلام نے غلاموں کی آزادی کے لیے کیا کچھ اقدامات کیے اور اسے یکسر کیوں ممنوع قرار نہ دیا۔ ہم سرِدست یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اسلام نے آقا و مزدور کے درمیان تعلقات کی خوشگواری کے لیے کیا کچھ اقدامات کیے اور وہ درج ذیل ہیں:

ا۔ حقوق

آقا اور غلام، مالک اور مزدور، زمیندار یا جاگیردار اور کسان یا مزارع، مالک مکان اور کرایہ دار، ان سب انواع میں قدرِ مشترک یہ پائی جاتی ہے کہ آقا یا مالک اپنے آپ کو برتر اور فریقِ ثانی کو کہتر مخلوق سمجھتا ہے۔ یہی تصوّر اسے فریقِ ثانی پر طرح طرح کی زیادتیوں پر دلیر بنا دیتا ہے اور جب تک یہ تصوّر موجود ہے، ان طبقوں میں تعلقات کی خوشگواری ناممکن ہوتی ہے۔ اسلام نے اسی برتری کے تصور پر کاری ضرب لگائی۔ اور ان کے حقوق کو متعین کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ فَمَنْ

كَانَ اَخُوْهُ تَحْتَ يَدِهٖ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا تُكَلِّفُوْهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَاِنْ كَلَّفْتُمُوْهُمْ فَاَعِيْنُوْهُمْ ۔ (بخاری۔ کتاب الایمان۔ باب المعاصی من امر الجاھلیۃ)

ترجمہ: تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔ لہٰذا تم میں سے جس کے قبضے میں اس کا کوئی بھائی ہو تو اس کو ویسا ہی کھلائے اور پہنائے، جیسا وہ خود کھاتا اور پہنتا ہے اور اس کو کوئی ایسا کام کرنے کو نہ کہے۔ جس کو وہ کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو اور کبھی اسے ایسا کام کرنے کو کہے تو خود بھی اس کا ہاتھ بٹائے۔

اس ارشادِ نبوی سے درجِ ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے:

۱۔معاشرتی مساوات اور آقائی کے تصوّر کا خاتمہ:

فریقِ ثانی ہرگز کہتر مخلوق نہیں۔ بلکہ وہ معاشرتی لحاظ سے آقا و مالک کے برابر کا درجہ رکھتے ہیں اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ مزدور و مالک آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ لہٰذا آقا یا مالک کو اپنے غلام یا مزدور کے ساتھ صرف برابری کا نہیں بلکہ بھائیوں کا سا سلوک کرنا چاہیئے

۲۔معاشی استحصال کی ممانعت:

ارشادِ نبویؐ یہ ہے کہ مالک جو کچھ کھاتا اور پہنتا ہے۔ وہی کچھ اپنے مزدور کو کھانے اور پہننے کو دے۔ جس سے ازخود یہ اصول مستنبط ہوتا ہے۔ کہ نہ تو آقا یا مالک کو عیاشانہ اور امیرانہ زندگی بسر کرنے کی اجازت ہے اور نہ ہی مزدور کو صرف اتنا ہی معاوضہ دینے کی جس سے وہ بمشکل اپنی زندگی کو برقرار رکھ سکے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے۔ کہ مالک اپنی خوراک و پوشاک کو اس سطح تک نیچے لائے۔ جس سطح تک وہ مزدور کی خوراک و پوشاک کی سطح کو بلند کر سکتا ہو۔ تاکہ آقا کی معاشی برتری کا تصوّر ختم ہو سکے اور مزدور کا بھی معاشی استحصال نہ ہو۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اس حدیث میں ارشاد تو غلام سے متعلق ہے جو صرف

اپنی ذات میں غلام ہوتا تھا۔ آج بھی اس کا اطلاق ان گھریلو ملازموں پر ہوگا جو گھر کا کام کاج کرتے ہیں۔ تاہم بھائی چارہ کے رشتہ کا لحاظ رکھتے ہوئے درست طور پر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ مالک کو اپنے مزدور کو اتنا معاوضہ ضرور دینا چاہیے کہ اگر وہ عیال دار ہے تو معروف طریقہ پر اس کی گزر بسر ہو سکے۔

۳۔ تکلیف مالا یطاق کی ممانعت:

تیسری بات آپؐ نے یہ ارشاد فرمائی کہ مزدور کو ایسا کام کرنے کو نہ کہے جس کی وہ استطاعت نہ رکھتا ہو۔ یہیں سے مزدور کے اوقات کار کی تعیین کا اصول مستنبط ہوتا ہے۔ کہ ایک عام انسان ایک دن میں یا ایک ہفتہ میں کس حد تک یا کتنے گھنٹے کام کر سکتا ہے جو اس کی صحت پر اثر انداز نہ ہو۔ استطاعت کا یہی مفہوم ہے۔ نیز بیماری کی صورت میں کام سے چھٹی یا رخصت بھی اسی ضمن میں آتی ہے۔

علاوہ ازیں ہر انسان طبعی طور پر تفریح کا بھی دلدادہ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اپنے لواحقین کی شادی غمی میں شمولیت بھی اس کی ایک اہم ضرورت بلکہ مجبوری ہے۔ لہذا ایسے موقعوں پر مزدور کو چھٹی نہ دینا بھی تکلیف مالا یطاق اور استطاعت کے منافی ہوگا۔ یہیں سے اس کی اتفاقی اور اضطراری چھٹیوں کے جواز کا اصول بھی مستنبط ہوتا ہے۔

۴۔ زائد محنت کا معاوضہ:

اور چوتھی بات آپؐ نے یہ ارشاد فرمائی کہ اگر مزدور سے کوئی ایسا کام کرانا ضروری ہو جس کی وہ استطاعت نہیں رکھتا۔ تو خود بھی اس معاملہ میں اس کی مدد کرے۔ اس سے دو اصول مستنبط ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر وہ کام ایک عام انسان کے بجائے دو یا تین آدمی مل کر ہی کر سکتے ہیں۔ تو خود بھی اس میں مزدور کا ہاتھ بٹائے اور یہ بلند تر درجہ ہے تاکہ اس کے بالادستی اور برتری کے تصوّر کا بھی کسی حد تک علاج ہو سکے اور ایسا نہیں کر سکتا تو کم از کم اتنا ضرور کرے کہ اس کے ساتھ حسب ضرورت ایک دو آدمی مزید لگا دے۔

اور دوسرا اصول یہ نکلتا ہے ۔ کہ مزدور کے دن بھر کام کرنے کے بعد بھی اگر کام کی نوعیت کا تقاضا یہی ہو کہ وہ بہر صورت اسی دن سرانجام پائے تو اس پر دوسرا مزدور لگائے یا اگر پہلا مزدور کام کرنے پر رضامند اور اتنی استطاعت رکھتا ہو کہ وہ کام کو جاری رکھ کر سرانجام دے سکے تو اسے اس کا الگ معاوضہ ملنا چاہیے ۔ یہ معاوضہ کتنا ہو؟ برابر ہو یا زیادہ یا دگنا، یہ بات فریقین کے باہمی سمجھوتہ سے طے ہو سکتی ہے ۔ تاہم مزدور کو اس کے زائد وقتِ کار (OVER TIME) کا معاوضہ ضرور ملنا چاہیے ۔

مندرجہ بالا حدیث چونکہ اس موضوع پر جامع ہے لہذا اس کا ذکر پہلے کر دیا گیا ۔ ورنہ ان حقوق کے متعلق انفرادی طور پر قرآن کریم میں بھی بہت سے ارشادات و دلائل مل جاتے ہیں نکاح کا مسئلہ ایسا مسئلہ ہے جس میں انسان ضرور اپنے کفو کی تلاش کرتا ہے ۔ کفو کا معنی یہ ہے کہ جس عورت یا مرد سے نکاح مطلوب ہے، اس کا مرتبہ معاشرتی یا معاشی اعتبار سے دوسرے کے برابر یا تقریباً برابر ہو ۔ ایسے ہی مواقع کے لیے اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ط وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ط بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ط (۴/۲۵)

ترجمہ: تم میں سے جو شخص کسی خاندانی عورت سے (بوجہ زیادتی اخراجات) نکاح کی استطاعت نہ رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ تمہاری ان کنیزوں میں سے کسی سے نکاح کرے جو تمہارے قبضہ میں ہیں ۔ اللہ تمہارے ایمان کا حال خوب جانتا ہے ۔ تم سب ایک ہی طبقہ کے لوگ ہو ۔

اس آیت کے آخری حصے بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ نے غلام اور آزاد یا غلام اور آقا کے درمیان معاشرتی امتیاز کی جڑ کاٹ کر رکھ دی ہے :

خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کی شادی بحکمِ الٰہی اپنے غلام زید بن حارثہ سے کر دی تھی اور یہ واقعہ قرآن میں تفصیل سے مذکور ہے۔ اس واقعہ سے تین مقاصد مطلوب تھے۔

۱۔ آزاد یا آقا قسم کے لوگوں کی معاشرتی برتری کا خاتمہ۔

۲۔ غلام اور غلامی کی نفسیات میں تدریجی تبدیلی کہ وہ اپنے آپ کو ایک کمتر مخلوق سمجھنے کے بجائے معاشرہ کے ذمہ دار افراد تصوّر کریں۔

۳۔ معاشرہ کے عام رواج کے خلاف یہ شرعی ضابطہ کہ متبنّیٰ حقیقی بیٹے کی جگہ نہیں لے سکتا۔ نہ از روئے حرمت وحلّتِ نکاح اور نہ ہی از روئے وراثت۔

یہ اسی تعلیم کا اعجاز تھا کہ ایک دفعہ جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو گھوڑے پر سوار اور اس کے غلام کو پیچھے پیدل چلتے دیکھا تو اس گھڑسوار سے فرمایا: "اپنے غلام کو بھی اپنے پیچھے گھوڑے پر سوار کر لو۔ کیونکہ وہ تمہارا بھائی ہے اور وہ بھی ویسی ہی روح رکھتا ہے جیسی تم رکھتے ہو"۔ (جدید ذہن کے شبہات ص۶۵)

یہی حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص (اپنے غلام کے بارے میں) یہ نہ کہے کہ! یہ میرا غلام اور یہ میری لونڈی ہے۔ اس کے بجائے اسے یوں کہنا چاہیے کہ یہ میرا خادم اور یہ میری خادمہ ہے"۔ (حوالہ ایضاً)

اور عجیب تر معاملہ یہ ہے کہ بعض مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کو آزاد مردوں سے بھی بلند مرتبہ عطا فرمایا۔ بشرطیکہ وہ اس کے اہل ہوں۔ مثلاً غزوۂ موتہ کے موقعہ پر آپ نے اپنے غلام حضرت زید بنؓ حارثہ کو سپہ سالار مقرر فرمایا۔ اسی طرح اپنی وفات سے قبل جو لشکر آپ نے ترتیب دیا اس کا سپہ سالار حضرت اسامہ بن زید بن حارثہؓ کو مقرر فرمایا۔ حالانکہ ان لشکروں میں اکابرین صحابہ بھی موجود تھے۔ مسلمانوں کے دل میں صرف یہ خیال ہی پیدا نہ ہوا بلکہ بعض مسلمانوں کی زبان پر بھی یہ شکوہ آگیا۔ جس کا آپ نے شافی و وافی جواب دے کر انہیں مطمئن کر دیا۔

اسلام نے غلام کو معاشرتی لحاظ سے اتنا بلند تر درجہ عطا فرما دیا کہ وہ مسلمانوں کا بادشاہ بھی بن سکتا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

إِنْ أُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ مُجَدَّعٌ يَقُودُكُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ فَاسْمَعُوا لَهُ وَأَطِيعُوا ۔ (مسلم ۔ کتاب الامارۃ ۔ باب اطاعۃ الامراء)

ترجمہ: اگر تم پر نکٹا غلام امیر بنا دیا جائے تو جب تک وہ تمہیں شریعت کے مطابق چلاتا ہے، اس کی بات سُنو اور اس کا حکم مانو۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اسلامی حکومت میں کئی غلام بادشاہ ہو گزرے ہیں اور ہندوستان میں تو غلام خاندان مدتوں حکومت کرتا رہا ہے۔

اسی تربیت کا یہ اثر تھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں بھی حضرت بلالؓ کو (جو آزاد شدہ غلام تھے) سیّدنا بلال کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

غلاموں سے حسن سلوک کے متعلق بھی قرآن میں واضح ہدایت موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں حسنِ سلوک کے مستحق افراد کا ذکر فرمایا تو اس میں غلاموں کا بھی ذکر کیا۔ ارشاد باری ہے:

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ط (۴/۲۶)

ترجمہ: اپنے والدین سے بھی حسنِ سلوک سے پیش آؤ اور قرابت داروں یتیموں مسکینوں، رشتہ دار ہمسائے، اجنبی ہمسائے، پہلو کے ساتھی، مسافر اور لونڈی غلام سب سے اچھا سلوک کرو۔

ایک اور مقام پر مومنوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۔ (۷۶/۸)

ترجمہ: اور اس بات کے باوجود کہ انہیں خود کھانے کی خواہش (حاجت) ہوتی ہے وہ فقیروں، یتیموں اور اسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں۔

اور اسیران جنگی قیدیوں کو کہتے ہیں جو غلام بنا لیے جاتے ہیں۔ انہیں کھلانے پلانے کی اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی تاکید فرمائی جیسا کہ مسکینوں اور یتیموں کے لیے فرمائی ہے۔ اس تاکید کا بعض مسلمانوں پر اس قدر اثر ہوا کہ خود تو کھجوریں کھا کر پیٹ بھر لیتے مگر غلاموں کو گندم کی روٹی کھلاتے تھے۔

۲۔ حقوق کا تحفظ

ہم پہلے تبلا چکے ہیں کہ آج کے مزدور سے دورِ نبوی کے غلاموں کا مرتبہ معاشرتی لحاظ سے فروتر تھا۔ اس دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کے بنیادی حقوق (یعنی جان و مال اور عزت کے تحفظ) میں آزاد اور غلام کے درمیان کوئی امتیاز روا نہیں رکھا۔ پہلے اب تک جو کچھ بیان ہوا وہ اجتماعی احکام و ارشادات تھے۔ اب ہم اس سلسلہ میں چند انفرادی واقعات کا ذکر کریں گے۔

۱۔ مزدور کی عزتِ نفس

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جس پایہ کے صحابی تھے وہ سب جانتے ہیں۔ آپ السابقون الاولون میں سے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے خصوصی محبت اور پیار تھا۔ آپ انتہا درجہ کے قناعت پسند اور زائد از ضرورت مال اپنے پاس رکھنا حرام سمجھتے تھے۔ حضرت معرور بیان کرتے ہیں کہ میں ربذہ میں حضرت ابوذرؓ سے ملا۔ وہ ایک جوڑا پہنے ہوئے تھے اور ان کا غلام بھی ویسا ہی جوڑا پہنے ہوئے تھا۔ میں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا کہ "میں نے ایک شخص[له] سے گالی گلوچ کی اور اس کو ماں کی گالی دی۔ تو آنحضرتؐ نے مجھ سے فرمایا:

يَا اَبَا ذَرٍ عَيَّرْتَهُ بِاُمِّهٖ اِنَّكَ امْرُءٌ فِيْكَ امْرُ الْجَاهِلِيَّةِ.

(بخاری۔ کتاب الایمان، باب المعاصی من امر الجاهلیة)

ترجمہ: اے ابوذر! تو نے اسے (حضرت بلالؓ کو) اس کی ماں سے عار دلائی

له یہ شخص حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے اور حضرت ابوذرؓ نے جو ماں کی گالی دی وہ صرف یہ تھی کہ انہوں نے کہا تھا۔ اے کالی ماں کے کالے بیٹے۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب فرمایا تو آپ نے حضرت بلالؓ سے معافی مانگی اور اپنا گال زمین پر رکھ کر کہنے لگے کہ اس وقت تک گال نہ اُٹھاؤں گا جب تک بلال اپنے پاؤں سے نہ روندیں (وحید الزمان)

ہے۔ تو ایسا شخص ہے جس میں ابھی تک جاہلیت کا اثر باقی ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ سے غلاموں کے متعلق وہی کچھ ارشاد فرمایا جو ہم ابتدا میں درج شدہ حدیث میں بیان کر چکے ہیں غور فرمائیے کہ عزت نفس کے حق کی اس قدر پاسداری، اور وہ بھی غلاموں اور مزدوروں کے لیے، اسلامی معاشرہ کے علاوہ کسی اور معاشرہ میں مل سکتی ہے؟

۲۔ مالک کو ظلم و زیادتی کی سزا

ایک دفعہ ایک فریادی روتا چلاتا دربارِ نبوی میں آیا اور عرض کی "یا رسول اللہ! میں ایک غلام ہوں۔ میرے مالک نے مجھے ایک لونڈی کا بوسہ لینے کی پاداش میں خصی کر دیا ہے۔ آپؐ نے مالک کو بلایا لیکن وہ حاضر نہ ہوا۔ اس پر آپؐ نے یک طرفہ فیصلہ دے دیا اور فرمایا: اِذْهَبْ اَنْتَ حُرٌّ (جا تو آزاد ہے) اس غلام نے عرض کی کہ اگر میرے مالک نے مجھے پکڑ کر دوبارہ غلام بنا لیا تو پھر میری مدد کون کرے گا؟ آپؐ نے اس کے جواب میں فرمایا عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ (یعنی ہر مسلمان پر تمہاری مدد کرنا فرض ہے۔ گویا مسلم معاشرہ یا حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس معاملہ میں تمہاری مدد کرے۔) (ابن ماجہ۔ کتاب الدیات)

اس حدیث سے مندرجہ ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے:

۱۔ اس دور میں غلام کو مار پیٹ تو درکنار خصی تک کر دینا مالک کا حق سمجھا جاتا تھا۔

۲۔ اگر کوئی غلام بھاگنے کی کوشش کرتا تو تمام معاشرہ مالک کی حمایت کرتا اور غلام کو پکڑ کر اس مالک کے حوالے کرنے میں مُمِد ہوتا تھا۔

۳۔ اسلام نے غلاموں کو مارنے یا اس طرح ظلم کرنے پر مالک کے لیے یہ سزا تجویز فرمائی کہ ایسے مالک کے مالکانہ حقوق کا ہی خاتمہ کر دیا اور ایسے غلاموں کے لیے آزادی کی سند عطا فرمائی۔

بعد میں صحابہ کرام میں یہ دستور چل نکلا کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام کو مارتا پیٹتا تو دوسرا صحابی اسے برملا کہہ دیتا کہ اب اسے آزاد کر دو۔ چنانچہ دورِ صحابہ میں اس طور پر بھی غلاموں کی کثیر تعداد کو آزادی ملی۔ اسے کہتے ہیں عزت کی حفاظت۔

۳۔ معاشی حقوق کا تحفظ

اب معاشی حقوق کی طرف آئیے۔ اس دور میں غلاموں کا کوئی مالی حق تھا ہی نہیں۔ البتہ مزدوروں کے حقوق کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بہت مشہور ہے جو یہ ہے کہ:

اُعْطُوا الْاَجِيْرَ الْاَجْرَ قَبْلَ اَنْ يَّجِفَّ عَرَقُهٗ۔

ترجمہ: مزدور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری ادا کر دو۔

جس طرح غلام یا مزدور اپنے آقا کا زیر دست ہوتا ہے۔ اسی طرح عورت بھی مالی حقوق کے معاملہ میں اپنے خاوند کی زیر دست ہوتی ہے۔ دورِ نبوی کا واقعہ ہے کہ ہندؓ بنت عتبہ بن ربیعہ زوجہ ابوسفیانؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شکایت کی کہ:

اِنَّ اَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ مِّسِّيْكٌ فَهَلْ عَلَيَّ حَرَجٌ اَنْ اُطْعِمَ مِنَ الَّذِيْ لَهٗ عِيَالَنَا؟ قَالَ لَا اَرَاهُ اِلَّا بِالْمَعْرُوْفِ۔

(بخاری۔ کتاب المناقب۔ باب ذکر ھند بنت عتبۃ)

ترجمہ: ابوسفیان بڑا بخیل آدمی ہے۔ اگر میں اس کے مال سے بال بچوں پر خرچ کرنے کے لیے لے لوں تو مجھ پر کچھ گناہ تو نہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا: "میں سمجھتا ہوں اس میں کچھ گناہ نہیں مگر یہ خرچ لینا معروف طریق پر ہونا چاہیے۔

اس حدیث سے درج ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے:

۱۔ اگر مالک مزدور کو معروف کے مطابق (یعنی واجبی) معاوضہ نہیں دیتا۔ تو یہ مقدمہ عدالت میں لے جایا جا سکتا ہے۔

۲۔ اگر مزدور کی بات درست ثابت ہو تو عدالت مداخلت کر کے زیر دست کا حق دلوانے کا اختیار رکھتی ہے۔

مزدور کے مالی حقوق سے متعلق دورِ فاروقی کا یہ واقعہ نہایت اہم ہے کہ حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کے چند غلاموں نے کسی شخص کا اونٹ چوری کیا اور اسے ذبح کر کے کھا گئے۔ حضرت عمرؓ کے ہاں مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے ان غلاموں کے ہاتھ قطع

کرنے کا فیصلہ دے دیا ۔ بعد میں آپ کو یہ خیال آیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان غلاموں نے بھوک سے مجبور ہو کر اضطراری طور پر یہ حرکت کی ہو ۔ یہ خیال آہستہ آہستہ یقین کی صورت اختیار کر گیا ۔ تو آپ نے ان غلاموں کی سزا موقوف کر دی اور ان کے مالک حاطب بن ابی بلتعہ کو بلا کر سخت تنبیہ کی کہ تم اپنے غلاموں کو بھوکا رکھتے ہو جس کی وجہ سے انہوں نے اونٹ چوری کیا ۔ اگر آئندہ ایسی شکایت پیدا ہوئی تو میں ان کے بجائے تمہیں سزا دوں گا ۔

(اسلامی ریاست ص ۱۸۲ ۔ بحوالہ المغنی لابن قدامہ ۱: ۲۸۸)

اس واقعہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ جو مالک اپنے ماتحتوں کے حقوق کی ادائیگی نہیں کرتا. حکومت اسے حقوق کی ادائیگی پر مجبور کر سکتی ہے اور عدم ادائیگی کی صورت میں اسے سزا بھی دے سکتی ہے ۔

۴ ۔ قصاص میں مساوات

جہاں تک جان کی حفاظت اور اس کے حق کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں ارشادِ نبوی نہایت واضح ہے ۔ آپؐ نے فرمایا :

" جو شخص ہمارے کسی غلام کو قتل کرے گا ، وہ اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا ، جو اس کی ناک کاٹے گا ، اس کی ناک کاٹی جائے گی اور جو اس کو خصّی کرے گا ، اس کو خصّی بھی کرا دیا جائے گا " (بخاری ، مسلم ۔ ترمذی ۔ نسائی ۔ ابوداؤد بحوالہ جدید ذہن کے شبہات ترجمہ الشبہات حول الاسلام از سیّد قطب شہید ص ۶۳)

آج کا مالک اپنے ملازم ، مزدور یا کسان کو قتل کرنے یا اسے مجروح بنانے کا تو اختیار نہیں رکھتا ۔ مگر اس کی عزت اور مالی حقوق پر ڈاکہ ڈال سکتا ہے ۔ غور فرمائیے اگر وہ ان احکام شریعت کا خیال رکھے تو اس پر کسی قسم کی زیادتی کر سکتا ہے ؟ یا اگر وہ فی الواقعہ اپنے مزدور یا ملازم کو اپنا بھائی سمجھے ، تو ان میں کاروباری منافرت پیدا ہو سکتی ہے ؟

۳ ۔ تصویر کا دوسرا رخ مزدور کی ذمہ داریاں

اسلام نے اگر مالک و مزدور کی معاشرتی سطح کو برابر کرنے ، مالک کو مزدور کی عزت نفس

کا خیال رکھنے، اس کے مالی حقوق کی نگہداشت اور استحصال سے ممانعت اور معاوضہ کی بروقت ادائیگی کے لیے احکامات صادر فرمائے ہیں تو دوسری طرف اس مزدور یا ملازم طبقہ کے لیے بھی کچھ احکام وارشادات موجود ہیں۔ جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ مالک کا احترام آقا و غلام یا مالک و مزدور اور ملازم کی معاشرتی سطح برابر کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسلام نے فرق مراتب کو ہی ختم کر دیا ہے۔ مراتب کا فرق بہرحال بدستور باقی رہے گا۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ والدین اور اولاد کی معاشرتی سطح تو پہلے ہی ایک ہوتی ہے پھر والدین کو اپنی اولاد سے حسن سلوک کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب والدین اور اولاد ہر لحاظ سے ایک سطح پر آگئے ہیں، بلکہ دوسری طرف اسلام نے اولاد کو اپنے والدین کے ادب و احترام، ان کی خدمت اور ان سے حسن سلوک کی انتہائی تاکید فرمائی۔ یہی صورت حال ہمارے زیر بحث مسئلہ میں بھی ہے۔ فرق مراتب کا لحاظ رکھنے سے متعلق اسلام نے ایک عام اصول دیا ہے جو یہ ہے کہ:

مَنْ لَّمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا وَیَرْحَمْ صَغِیْرَنَا فَلَیْسَ مِنَّا۔

ترجمہ: جس شخص نے ہمارے بڑے کی عزت نہ کی یا جس نے ہمارے چھوٹے پر شفقت نہ کی تو ایسے لوگوں کا ہم سے کچھ تعلق نہیں۔

اور یہ تو واضح ہے کہ آقا و غلام یا مالک و مزدور میں پہلے طبقہ آقا و مالک کا مرتبہ بلند ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر آقا و مالک کو اپنے غلام یا ملازم یا مزدور سے حسن سلوک اور ان پر شفقت کرنے کا حکم ہے۔ تو دوسرے طبقہ پر بھی لازم ہے کہ اپنے آقا و مالک کی عزت و توقیر کا خیال رکھے۔ مالک اگر مزدور کو اپنا چھوٹا بھائی سمجھتا ہے تو مزدور بھی اپنے مالک کو بڑا بھائی سمجھ کر اس سے اچھا سلوک کرے اور اس کی عزت و تکریم کرے۔

۲۔ مالک کے احسان کا اعتراف اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر انسان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ (۳۱/۱۴)

ترجمہ: میرا بھی شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی۔
اور دوسرے مقام پر اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا (۱۷/۲۴)

ترجمہ: اور (انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے والدین کے حق میں دعا کرتے ہوئے) کہے کہ اے میرے پروردگار میرے والدین پر رحم فرما کیونکہ انہوں نے بچپنے میں میری تربیت کی۔

اب دیکھئے کہ حقیقی پروردگار تو اللہ تعالیٰ ہے جس کا ابتداء میں ذکر ہوا۔ پھر دوسرے نمبر پر تربیت کنندگان والدین ہیں۔ جن کا بعد میں ذکر ہوا۔ اسی ترتیب سے شکریہ بھی ادا کیا جانا چاہیے۔ پہلے اللہ تعالیٰ کا پھر والدین کا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بعد والدین تربیت کے لیے واسطہ بنتے ہیں۔

اب اس سے آگے چلیئے۔ تیسرے نمبر پر مالک مزدور وغیرہ کی تربیت کا واسطہ بنتا ہے۔ جس سے واضح طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ ملازم یا مزدور کو اللہ تعالیٰ اور والدین کے کے بعد اسی ترتیب سے مالک کا شکریہ بھی ادا کرتے رہنا چاہیے اور اس کا یہ احسان سمجھنا چاہیے کہ اس کے واسطہ سے اسے روزی مل رہی ہے۔ واضح رہے کہ شکر کا لفظ کسی احسان کے صلہ کے طور پر ہی استعمال ہوتا ہے۔

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ فَالْإِمَامُ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰى أَهْلِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا وَهِيَ مَسْئُولَةٌ وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلٰى مَالِ سَيِّدِهٖ وَهُوَ مَسْئُولٌ أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ (بخاری۔ کتاب النکاح۔ باب قُوْا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا)

ترجمہ: تم میں سے ہر کوئی مختار و نگران ہے۔ تو جو چیز کسی کے حلقہ اختیار میں ہے اس کے متعلق وہ ذمہ دار اور مسئول ہے، بادشاہ نگران ہے اور اس

سے باز پرس ہوگی ۔ اور ہر شخص اپنے گھر والوں پر نگران ہے وہ بھی عنداللہ مسئول ہے اور عورت اپنے خاوند کے گھر کی محافظ ہے ۔ اس سے بھی باز پرس ہوگی ۔ غلام اور مزدور اپنے مالک کے مال کا نگران ہے ۔ اس سے بھی اس کی باز پرس ہوگی ۔ یاد رکھو! تم میں سے ہر کوئی نگران و محافظ ہے اور ہر ایک سے قیامت کے دن باز پرس ہوگی ۔

اس حدیث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے ۔ کہ جو مزدور اپنے مالک کا خیر خواہ نہیں اور اسے کسی نہ کسی طرح نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے خواہ یہ نقصان اوقاتِ کار میں غیر حاضر رہنے سے ہو یا کام چوری سے یا املاک کو خرد برد کرنے یا نقصان پہنچانے سے ہو یا کسی دوسرے ذریعہ سے ہو تو بھی وہ اسی طرح خائن اور مجرم ہے ۔ جس طرح ایک بیوی اپنے میاں کا مال خرد برد کرنے پر خائن اور مجرم ٹھہرتی ہے اور قیامت کے دن ایسے لوگوں سے پوری پوری باز پرس ہوگی ۔

۴ ۔ کام چوری اور سینہ زوری سے اجتناب

جس طرح طے شدہ معاوضہ کے مقابلہ میں کام چوری گناہ اور زیادتی کا کام ہے ۔ بالکل ۔ اسی طرح محنت کے مقابلہ میں مالک سے زیادہ اجرت کا مطالبہ کرنا اور اسے اس مطالبہ کو تسلیم کرنے پر مجبور کرنا بھی زیادتی ہے ۔ دورِ فاروقی کا ایک واقعہ ہے ۔ کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا ایک غلام ابولؤلؤ فیروز نامی تھا ۔ جو ایک ماہر صنّاع تھا ۔ اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اپنا مقدمہ پیش کیا کہ میرے مالک (حضرت مغیرہ بن شعبہ رضؓ) نے مجھ پر یومیہ ادائیگی زیادہ عائد کر رکھی ہے آپ کم کرا دیجئے ۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ تمہاری یومیہ ادائیگی کیا ہے؟ اس نے جواب دیا ۔ "دو درہم روزانہ"! پھر آپ نے پوچھا کہ "تم کیا کچھ کام جانتے ہو"؟ اس نے کہا "نجاری ۔ نقاشی اور آہن گری"! آپ نے فرمایا ۔ تمہاری مہارت کے مقابلہ میں یہ ادائیگی کچھ زیادہ نہیں ۔ اور اس کا مقدمہ خارج کر دیا ۔

(الفاروق شبلی نعمانی ص ۱۷۷ مطبوعہ سنگ میل پبلی کیشنز ۔ لاہور)

اگرچہ مذکورہ واقعہ میں مہارت کے مقابلہ میں کم ادائیگی کرنے کا مطالبہ ہے اور ہمارا مسئلہ محنت کے مقابلہ میں زیادہ اجرت کا مطالبہ ہے لیکن ماحصل دونوں کا ایک ہے اور

دونوں میں عدوان کا پہلو پایا جاتا ہے۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے کہ:

لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (۵/۲)

ترجمہ: گناہ اور زیادتی کے کام پر ہرگز ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو۔

لیکن اتفاق کی بات یہ ہے کہ یونین کا مقصد اور اتحاد ہی اس بات پر ہوتا ہے کہ کام تو کم سے کم کیا جائے۔ اور مالک سے سینہ زوری کے ذریعہ معاوضہ زیادہ وصول کیا جائے

مالک و مزدور کے تنازعہ کا مستقل علاج

ان تمام تر تصریحات کا حاصل یہ ہے کہ اگر مزدور یونین کا مقصد اپنی محنت کے مقابلہ میں جائز حد تک اپنے حقوق کا مطالبہ ہو۔ تو بالکل درست اور جائز ہے۔ لیکن اگر یونین سازی کا مقصد کام چوری اور سینہ زوری ہو۔ کہ اس اتحاد اور ہڑتالوں کے ذریعہ مالک کو اس بات پر مجبور کر دیا جائے۔ کہ ان کا معاوضہ بڑھ جائے اور انھیں ملازمت سے جواب بھی نہ دے سکے۔ تو ایسی یونین سازی کی اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا اور ایسا اتحاد نیکی کے بجائے بدی پر اتحاد سمجھا جائے گا۔

موجودہ دور کی حکومتوں نے مزدوروں کی اس زیادتی کے مقابلہ میں مالکوں کو تالہ بندی (LOCK OUT) کا حق دیا ہے جس کے ذریعہ وہ ملازموں اور مزدوروں کو کچھ عرصہ کے لیے بے روزگار بنا سکتا یا پریشان کر سکتا ہے، مگر اس سے بھی مسائل حل نہیں ہوتے بلکہ فریقین میں مقدمہ بازی کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ جس میں کبھی مزدور جیت جاتے ہیں۔ اور کبھی مالک۔ تاہم فریقین میں جو باہمی کشیدگی باقی رہ جاتی ہے وہ باہمی تعلقات کی خوش گواری میں رکاوٹ بنی رہتی ہے۔ جس سے صنعت اور کاروبار سخت متاثر ہوتا ہے اور بعض دفعہ تو صنعت کار یہ دھندا ہی ختم کر دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں محض قانون کے بل بوتے پر مسائل حل نہیں ہوتے بلکہ مزید مسائل پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ان کا اصل حل وہی ہے جو اسلام نے اختیار کیا ہے۔ یعنی مسائل کے حل کا زیادہ تر انحصار اخلاقیات پر رکھا ہے۔ وہ قانون کا سہارا صرف اس وقت لیتا ہے جبکہ دونوں کے کھوٹ کسی تل پر نہیں آتے اور اخلاق کی پاکیزگی اور عمدگی کے لیے تقویٰ

کی ضرورت ہے ۔ لہذا اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلامی تعلیمات کو عام کرکے اور لوگوں کو ان کا پابند بنا کر ان میں تقویٰ پیدا کیا جائے ۔ جو ہر طرح کے دنیوی اور اُخروی مسائل کا واحد حل ہے ۔ اگر لوگوں میں تقویٰ پیدا ہو جائے تو یونین سازی جیسے مسائل جو محض فروعی مسائل کی حیثیت رکھتے ہیں ، از خود حل ہوتے چلے جائیں ۔

مراجع و مصادر

۱ ۔ قرآن کریم

۲ ۔ بخاری شریف

۳ ۔ مسلم شریف

۴ ۔ ابوداؤد شریف

۵ ۔ ابن ماجہ شریف

۶ ۔ شبہات حول الاسلام — سید قطب شہید — دار القرآن ۔ کویت
اردو ترجمہ بنام جدید ذہن کے شبہات — مترجم محمد سلیم کیانی ایم۔اے

۷ ۔ اسلامی ریاست — شمیم حسین قادری، سابق چیف جسٹس لاہور ہائیکورٹ لاہور — علماء اکیڈمی۔ محکمہ اوقاف پنجاب ۔ لاہور

۸ ۔ الفاروق — شبلی نعمانی — سنگ میل پبلی کیشنز ۔ لاہور